تھی۔

واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ موجودہ مشکل حالات میں اگر کوئی ملک اسلامی دنیا کی قیادت کر سکتا ہے تو وہ ایران ہوگا۔ وہی ملک جہاں ۲۳ سال پہلے شاہ ایران کا تختہ الٹ کر اور آیت اللہ خمینی کو اقتدار دلا کر موجود بنیاد پرست تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ صرف ایک نسل کے بعد اس ملک میں مشکل سے ہی کوئی ایسا ۳۰ برس کا شخص ہوگا جو بنیاد پرستی سے کوئی ہمدردی رکھتا ہو۔ اور اگر ایران اسلام کی کوئی زیادہ جدید اور تحمل مزاج شکل متعارف کرا سکے تو وہ باقی مسلم دنیا کے لیے ایک نہایت طاقت ور مثال بن سکتا ہے۔

جو مسلمان اسلام کی زیادہ لبرل شکل میں دلچسپی رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ مغرب پر الزام تراشی بند کر دیں اور خود اپنے اندر سے انتہا پسندوں کو تنہا اور کمزور کرنے کے لیے کوشش کریں۔ اس بات کی کچھ شہادت موجود ہے کہ یہ عمل پہلے ہی شروع ہو چکا ہے۔ امریکی مسلمان اپنی کمیونٹی میں وہابی اثرات کی حد تک تو بیدار ہو رہے ہیں اور اگر افغانستان میں بنیاد پرستوں کے خلاف جنگ کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ گئی تو دوسرے ملکوں میں رہنے والے بھی ممکن ہے اس حقیقت کا جلد ادراک کر لیں۔

مغربی آزاد رُو جمہوریت اور اسلاموفاشزم کے درمیان تنازعہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ دونوں مساوی طور پر قابلِ عمل ثقافتی نظام ہیں، جن میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی میں عبور، دولت پیدا کرنے اور موجودہ دنیا میں تنوع کے مسائل سے نمٹنے کی یکساں صلاحیت موجود ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مغربی اداروں کو تمام برتری حاصل ہے اور اسی وجہ سے طویل المیعاد بنیاد پر دنیا بھر میں ان کا پھیلاؤ اور مقبولیت جاری رہے گی۔ لیکن طویل المدت ثمرات کے لیے ہمیں لازماً قلیل المدت جنگ میں جیتنا ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے تاریخی عمل کے لیے لازمی نہیں کہ وہ اسی طرح جاری رہے۔ جدید جمہوری معاشرے کی اقدار کے تحفظ کے لیے جنگ میں اعلیٰ قیادت، حوصلہ مندی اور عزم کی ضرورت ہے۔

[فوکویاما، جان ہوپکنز یونیورسٹی امریکہ میں بین الاقوامی سیاسی معاشیات کے پروفیسر اور درج ذیل کتاب کے مصنف ہیں: *The End of History and the Last Man*, The Free Press 1992, New York.]

مذہب کی آڑ میں دہشت گردی

تحریر: یوناہ الیگزینڈر*

ترجمہ: کرنل (ر) غلام سرور

تاریخ کے صفحات میں ہمیں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں، جہاں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو اپنی شدید نفرت اور حقارت کا نشانہ بنائے رکھا۔ اس منفی سوچ کا ہمیشہ یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مذہب اور عقیدے کے تحفظ کی آڑ میں مذہبی عناصر ایک دوسرے کے خلاف آپس میں دست وگریباں ہوتے رہے۔ اسی طرح بے قاعدہ جنگ میں ایک کم خرچ ہتھیار کے طور پر دہشت گردی کا مقصد بھی، قانون سے بالاتر رہتے ہوئے اپنے حریف کے خلاف طاقت استعمال کرکے اسے نفسیاتی طور پر خوفزدہ کرنا ہوتا ہے۔ اس دہشت گردی کی جڑیں کافی پرانی ہیں۔

تاریخ کے اوراق پلٹ کر جب ہم دیکھتے ہیں، تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ''زیلٹ سکاری'' (Zealot Sicarii) نامی یہودی مذہبی جنونیوں کی ایک تنظیم نے رومیوں کے خلاف پے در پے حملے کرکے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ اسی طرح مشرقِ وسطیٰ میں صلیبیوں کے خلاف فدائین کی طرف سے فدائی حملے کیے جاتے رہے۔ اول الذکر دہشت گرد پہلی صدی میں ۷۰ برسوں تک قتل وغارت کے مذموم کاروبار میں ملوث رہے تھے، جبکہ اس کے برعکس موخرالذکر گروہ کی سرگرمیوں کا دائرہ گیارہویں سے تیرہویں صدی تک دو صدیوں پر محیط رہا تھا۔

آج کے دہشت گردوں نے، جو مذہبی عقائد سے توانائی حاصل کرتے ہیں، تشدد و دہشت گردی کا ایک نیا پیمانہ متعارف کرایا ہے۔ ان کی کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم دہشت گردی کے ایک دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ قومی، علاقائی اور عالمی تحفظ وسلامتی کے معاملات پر اس کے مضمرات بہت شدید ہیں۔

* Yonah Alexander, "Terrorism in the Name of God", *The World and I*, Oct. 2002, pp.38-43.

غالباً سب سے اہم وہ خطرات ہیں جو عام لوگوں کی بقا، بہبود اور حقوق، ریاستی نظام کے استحکام، معاشی ترقی کی رفتار، جمہوریت کے فروغ اور ممکنہ طور پر تہذیب کی بقا کو لاحق ہیں۔

مذہب کے نام پر جارحیت کا ایک انتہائی گھناؤنا کھیل ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں کھیلا گیا۔ اس سانحہ کی مثال جدید دور کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تفصیل کچھ یوں ہے کہ ۱۹ دہشت گردوں نے امریکہ کی ایک فضائی کمپنی کے چار ہوائی جہاز اغوا کر لیے اور انہیں فضا میں بلند کر کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان سے ٹکرا دیا۔ جبکہ ایک جہاز اپنے مطلوبہ ٹارگٹ پر نہیں پہنچ سکا اور پنسلوانیا کے قریب ایک میدان میں گر گیا۔ اس حادثے میں ناقابل بیان مالی نقصان کے علاوہ، تین ہزار سے زائد افراد ہلاک اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہوئے۔

ان بے مثال حملوں سے، جن کی منصوبہ بندی اسامہ بن لادن کے القاعدہ نیٹ ورک نے کی تھی، سلامتی کے نئے مسائل سامنے آئے ہیں جو تمام تہذیب یافتہ اقوام کے لیے تشویش ناک ہیں۔ یقیناً آنے والے سالوں میں ایسے مزید واقعات رونما ہوں گے۔ مختلف قومیں، تنظیمیں اور افراد، جو ایسے حملوں کی تیاری اور منصوبہ بندی کرتے ہیں، وہ اعلیٰ ترین دہشت گردی (superterrorism) کی طرف جائیں گے چاہے ان کے ہتھیار، حیاتیاتی ہوں، کیمیائی ہوں یا نیوکلیائی۔ جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے یہ دہشت گرد حساس مقامات، معاشی اور دفاعی نظاموں پر سائبر اٹیک بھی کر سکتے ہیں۔ عالمی سلامتی اور تحفظ کو درپیش ان روایتی اور غیر روایتی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے قومی، علاقائی اور عالمی سطحوں پر موثر کوششیں کرنا ہوں گی۔

زیر نظر مقالہ میں مذہب کے نام پر دو عرب دہشت گرد تنظیموں ''حماس'' اور ''فلسطینی اسلامی جہاد'' کے طریقہ واردات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ تنظیمیں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی سلامتی کے لیے خطرے کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ یہ تحریکیں ''القاعدہ'' کے عالمی فریم ورک کی رکن ہیں۔ القاعدہ کی کارروائیاں دنیا کے ۸۰ ممالک میں جاری ہیں۔

فلسطین میں مذہبی دہشت گردی

اعلیٰ اسلامی احکام کے نام پر ''مقدس'' دہشت گردی مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام کی راہ میں بڑی

رکاوٹ ہے۔ واضح طور پر اسلام کے نام پر بپا کی جانے والی دہشت گردی کی کارروائیاں علاقائی امن اور عالمی استحکام کے لیے زبردست خطرے کا موجب بن رہی ہیں۔ لیکن یہ خطرہ روایتی اسلام یا اسلامی بنیاد پرستی کی جانب سے نہیں ہے جو سماجی اور سیاسی سطح پر اسلامی اقدار کی بنیاد پر نظم قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اصل خطرہ ان انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے وحشیانہ اقدامات کو اسلام کی غلط تعبیر کے ذریعے جواز فراہم کرتے ہیں۔

اسلامی تحریک مزاحمت ''حماس'' ۱۹۷۸ء میں پہلی انتفادہ (مزاحمتی تحریک) کے آغاز کے کچھ ہی عرصہ بعد باضابطہ طور پر وجود میں آ گئی تھی۔ اس تحریک کی جڑیں ۱۹۴۰ء کی دہائی میں تلاش کی جاسکتی ہیں جب مصر کی اخوان المسلمون نے پہلی انتفادہ کے دوران محسوس کیا کہ ان کی تنظیم کا ایک عسکری بازو بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ حماس ''اخوان المسلمون'' ہی کی توسیع ہے۔ اس تنظیم نے اسرائیل کے خلاف موثر اقدامات کیے اور اس کے وجود کی مخالفت میں نوجوانوں کو تربیت دی۔

''حماس'' کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ غزہ کی پٹی میں اس کا اثر ورسوخ ہے۔ غزہ میں مہاجرین کی سماجی ومعاشی حالت زار اور یہ حقیقت کہ کوئی دوسری قوم پرست جماعت ان کی مدد کے قابل نہیں تھی حماس کی کامیابیوں کا سبب بنی۔ ۱۹۷۰ء کے اواخر اور ۱۹۸۰ء کے عشرے میں پی ایل او کی سرگرمیوں کا مرکز تیونس میں تھا۔ بنابریں فلسطینیوں کی مقامی قیادت کو پنپنے کا موقع ملا۔ حماس کو بھی اپنا سماجی ڈھانچہ تیار کرنے میں کامیابی ہوئی اور وہ پی ایل او کی متبادل تنظیم کے طور پر سامنے آئی۔

اگست ۱۹۸۸ء میں حماس نے اپنا نظریاتی اسلامی منشور شائع کیا۔ اس دستاویز میں اسرائیل اور پی ایل او دونوں کے طریقہ کار کو چیلنج کرتے ہوئے دعویٰ کیا گیا ہے کہ حماس ہی فلسطینی عوام کی واحد جائز اور نمائندہ تنظیم ہے۔ انتفادہ کے دوران تشدد کی کارروائیوں میں حماس کی شرکت سے اس تنظیم کو تحریک مزاحمت میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کی مقبولیت اور پھیلاؤ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

خلیج کی جنگ کے بعد حماس بڑی دہشت گرد تنظیم بن کر ابھری اور الفتح کے بعد، جس کی قیادت یاسر عرفات کے پاس ہے، اس کا شمار فلسطین کے مضبوط ترین مزاحمتی گروپوں میں ہونے لگا۔ ۱۹۹۱ء میں زکریا

ولید آخیل نے عزالدین القصام بٹالین قائم کیا جس نے ایسے افراد کو اغواء اور قتل کرنا شروع کیا جن پر اسرائیل کی معاونت کا شبہ تھا۔ ۱۹۹۲ء میں اسحاق رابن کی حکومت نے حماس اور اسلامی جہاد کے ۴۱۵ کارکنوں کو اسرائیل سے نکال دیا۔ اس پر حماس نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کرتے ہوئے حزب اللہ کے طریق کار کے مطابق اسرائیلی عوام اور فوجی اہل کاروں کے خلاف کار بموں، خودکش بمباری اور اغواء جیسے اقدامات کرنے شروع کر دیے۔

۱۹۹۳ء میں اوسلو معاہدے پر دستخط ہوئے اور اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے مابین ''ڈیکلریشن آف پرنسپلز'' (declaration of principles) وجود میں آ گیا اور یوں مسئلہ فلسطین کی تزویراتی نوعیت بدل گئی۔ اس معاہدے کی رو سے انتفادہ تحریک کی بساط بھی لپیٹ دی گئی اور ساتھ ہی حماس کی سرگرمیاں ختم کرانے کے لیے اس پر دباؤ بڑھایا جانے لگا۔ بایں ہمہ، حماس کی قیادت نے فلسطینیوں کی صفوں میں اتحاد برقرار رکھتے ہوئے اسرائیل کے خلاف ہر صورت میں جہاد جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی خودکش بمباری کے ذریعے تشدد اور دہشت گردی میں اضافہ کر دیا جس نے امن کے عمل میں رکاوٹ پیدا کی اور کئی باران کی مکمل ناکامی کا خطرہ پیدا کر دیا۔

۱۹۹۴ء میں فلسطینی اتھارٹی کے قیام سے ہی حماس نے فلسطینی اتھارٹی کے مقابلے میں ایک مضبوط حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرنے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے متبادل کے طور پر سامنے آنے کی کوشش کی ہے، فلسطینی اتھارٹی بھی حماس کو اپنے اقتدار کے لیے ایک بڑا خطرہ سمجھتی ہے۔

فروری/ مارچ ۱۹۹۶ء میں اسرائیل کے شہریوں پر دہشت گردی کی کارروائیوں کے بعد فلسطین اتھارٹی نے کئی امدادی تنظیموں پر پابندی، فنڈ روک لینے اور ساز و سامان پر قبضے کے ذریعے حماس کو مالی اعتبار سے کمزور کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ، اسرائیل کی طرف سے اپنے دو شہروں ام الفہیم (Um al-Fahem) اور ناصریہ (Nazareth) میں اسلامی تحریک کے خلاف جو کارروائی کی گئی تھی، اس سے بھی حماس کی سرگرمیوں اور مالی وسائل کو نقصان پہنچا۔ حماس کے امدادی ادارے یروشلم، مغربی کنارے، غزہ کی پٹی، امریکہ، سعودی عرب، عرب امارات اور ایران سمیت دنیا میں بہت سی جگہوں پر کام کر رہے ہیں۔ امدادی اداروں کا یہ جال خودکش حملہ آوروں اور قیدیوں کے خاندانوں

کی مدد کرتا ہے۔ یہ ادارے حماس کی عسکری کارروائیوں کے لیے بھی مالی امداد بہم پہنچاتے ہیں۔

دوسری بار جب انتفادہ تحریک شروع ہوئی تو اسے تزویراتی سطح پر اپنے آپ کو منظم کرنے کا ایک اور موقع مل گیا۔ اب کی بار اس نے اسرائیل کے ناجائز قبضے کے خلاف اپنی بھرپور مہم کا آغاز کر دیا اور ساتھ ہی فلسطینیوں کے قومی اتحاد کی راہ نکالنے کی تدابیر بھی شروع کر دیں۔ ستمبر ۲۰۰۰ء سے مارچ ۲۰۰۲ء تک حماس نے کم و بیش چالیس خودکش حملوں کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔ ان حملوں میں ۴۰۰ سے زائد اسرائیلی شہری مارے گئے تھے۔

مختصراً، حماس، جس کے بانی اور روحانی پیشوا شیخ احمد یٰسین ہیں، کے پیش نظر پانچ واضح اہداف ہیں: پہلا اسلام سے بطور طرز زندگی ان کی وابستگی، دوسرا، ''صیہونی ریاست'' کے خاتمے کو ہی عرب اسرائیلی تنازعے کا واحد حل تصور کیا جائے۔ اس کا تیسرا ہدف اسرائیل کی جگہ فلسطینی عرب ریاست کا قیام ہے جو اس لیے ضروری ہے کہ اسرائیل مقدس اسلامی مقامات پر واقع ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی رعایت جس سے اسرائیل کے پاس اس زمین کا ٹکڑا رہے، فلسطینی عرب مقصد سے بغاوت کے مترادف ہے۔ باقی دو اہداف میں پان اسلامی مذہبی مثالیت اور فلسطینی قوم پرستی اور اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن مذاکرات کی مخالفت ہے۔

فلسطینی اسلامی جہاد

حالیہ برسوں میں فلسطین اسلامی جہاد (PIJ) کی تنظیم ایک نمایاں دہشت گرد گروہ کی حیثیت سے ابھری ہے، جس نے جہاد کے تصور کو سینے سے لگایا ہوا ہے۔ یہ تنظیم اسرائیل کی ریاست کو مسلمانوں کا بدترین دشمن گردانتی ہے اور اسے تباہ کرنے کے درپے ہے۔ چنانچہ یہ تنظیم فلسطین کی آزادی کے لیے اسلامی عسکری جدوجہد کی دعوت دیتی ہے۔

اس مقصد کے لیے اس کا طریق کار یہ ہے کہ مختلف گوریلا گروپوں کو منظم کیا جائے، جن کی قیادت انقلابی دستوں کے ہاتھ میں ہو اور جو اسرائیل کو کمزور کرنے کے لیے دہشت گرد حملے کریں۔ فلسطینی اسلامی جہاد کے افراد کا خیال ہے کہ وہ اس دن کی تیاری کے لیے بنیادیں ڈال رہے ہیں جب ایک عظیم

اسلامی فوج جنگ کے میدان میں اسرائیل کو تباہ کر دے گی۔ اس تنظیم نے ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان اسرائیل میں متعدد تباہ کن خودکش حملے کیے ہیں۔ مصر کی تنظیم اخوان المسلمون سے علیحدہ ہونے والے فلسطینی طلبہ نے ۸۰-۱۹۷۹ء میں غزہ کی پٹی میں فلسطینی اسلامی جہاد کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے بانی ایران میں اسلامی انقلاب اور مصر کی طلبہ تنظیموں کی انتہا پسندی اور عسکریت پسندی سے متاثر تھے۔ اس تحریک کے پرجوش قائدین فتحی الشقیقی، عبدالعزیز عودہ اور بشیر موسیٰ کو اس بات پر تشویش تھی کہ اخوان المسلمین تحریک، مسئلہ فلسطین پر خاموشی کیوں اختیار کیے ہوئے تھی اور فلسطینی ریاست کے قیام میں کسی سرگرمی کا مظاہرہ کیوں نہیں کر رہی تھی۔ اس حوالے سے انہوں نے ایک متبادل نظریہ پیش کیا جس نے آگے چل کر ایک نئی تنظیم کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ اس تنظیم کی مرکزی سوچ کچھ یوں تھی کہ اسلامی دنیا کا اتحاد فلسطین کی آزادی کے لیے پیشگی شرط نہیں ہے، بلکہ فلسطین کی آزادی اسلامی دنیا کے اتحاد کا باعث بن سکتی ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اسلامی تنظیموں کا جہاد فلسطین کو آزاد کرانے اور ایک مربوط اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

فلسطینی اسلامی جہاد نے فلسطینیوں کو ایک ایسی انتظامی چھتری فراہم کر دی، جس کے سائے تلے کئی بنیاد پرست مسلم گروہ جمع ہو گئے ہیں۔ یہ گروہ اپنی کارروائیاں الگ الگ سرانجام دیتے ہیں لیکن ایران کی اسلامی ریاست اور اس کے اسلامی قانون کے نفاذ کے مقصد کے ساتھ وفاداری اور عقیدت مندی رکھتے ہیں۔ فلسطینی اسلامی جہاد کا شمار مشرقِ وسطیٰ کی شدید انتہا پسند اور متشدد اسلامی تنظیموں میں کیا جاتا ہے۔

جون ۱۹۸۷ء میں انتفادہ کے آغاز سے ہی فلسطینی اسلامی جہاد نے اس میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ پہلی انتہا پسند تنظیم تھی جس نے عمومی ہڑتالوں اور مظاہروں کا آغاز کیا۔ مقبول متشدد تحریک کی قیادت کرنے کی کوششیں اس وقت دم توڑ گئیں جب ۱۹۸۸ء کے وسط میں اس کے قائدین کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا اور غزہ میں ان کی متبادل قیادت کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اطلاعات ملی ہیں کہ اسلامی جہاد کو شام کی خفیہ ایجنسیوں نے دہشت گرد حملے کرانے کے لیے استعمال کیا۔ لبنان کے اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوئیں جن سے لبنان میں موجود ایران کی مدد یافتہ

''حزب اللہ'' کے ساتھ بھی اسلامی جہاد کے رابطوں کا انکشاف ہوا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ تنظیمیں تربیتی مشقوں اور دہشت گردی کی وارداتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور اشتراک کرتی ہیں۔

فلسطینی اسلامی جہاد نے حماس کے مقابلے میں زیادہ انتہا پسندانہ موقف اپنائے رکھا ہے تاہم یہ تنظیم بھی پی ایل او کے ساتھ مذاکرات کی حامی رہی ہے۔ ۱۹۹۳ء میں اس کے ایک لیڈر نے بیان جاری کیا تھا کہ ان کی تنظیم پی ایل او میں شمولیت اختیار کر سکتی ہے بشرطیکہ پی ایل او کی نظریاتی اور تزویراتی پالیسیوں میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ لیکن جب اسرائیل نے اس کے ۱۰۰ سے زائد اور حماس کے کئی سو کارکنان کو دسمبر ۱۹۹۳ء میں ملک سے ڈی پورٹ کر کے جنوبی لبنان بھجوا دیا تو انہوں نے اپنی یہ پیش کش واپس لے لی۔

اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان اوسلو معاہدے کے بعد شقیقی نے اپنے سیاسی رابطوں میں اضافہ کر لیا، اور اسلامی جہاد اس معاہدے کے مخالف دہشت گرد گروپوں کے اتحاد استرداد محاذ (Rejection Front) میں شامل ہوگئی۔ اسلامی جہاد اور حماس غزہ کی پٹی میں ایک دوسرے کی مخالف تنظیمیں شمار کی جاتی تھیں۔ تاہم ۱۹۹۴ء میں فلسطینی اتھارٹی کے قیام کے بعد ان دونوں نے باہم تعاون سے دہشت گرد حملے کرنے شروع کیے۔ اسرائیلی ایجنٹوں پر اکتوبر ۱۹۹۵ء میں شقیقی کو مالٹا میں قتل کرنے کا الزام لگایا گیا۔ ان کی جگہ لینے والے ڈاکٹر رمضان عبداللہ سلاح فلوریڈا میں کئی سال مقیم رہے اور ۱۹۹۶ء کے آغاز میں دمشق منتقل ہو گئے۔ شخصی طور پر وہ تنظیم پر شقیقی کی طرح اپنا اثر زیادہ نہ ڈال سکے۔

۱۹۸۰ء کے اواخر میں جب حماس نے خودکش حملے کرنے شروع کیے تو دونوں تنظیموں نے دہشت گردی کی کارروائیوں میں انتظامی تعاون کا سلسلہ مضبوط کیا۔ امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی بھرپور مدد کی بنا پر وہ بھی اسلامی جہاد کا ہدف بن گیا ہے۔ جولائی ۲۰۰۰ء میں اسلامی جہاد نے دھمکی دی کہ اگر امریکی ایمبیسی کو تل ابیب سے یروشلم منتقل کیا گیا تو وہ امریکی مفادات پر حملے کریں گے۔

انتفادہ کا دوسرا دور شروع ہونے سے لے کر اب تک فلسطینی اسلامی جہاد، حماس کے ساتھ متعدد خودکش بم حملوں میں شریک ہو چکی ہے۔ ان کارروائیوں کے ردعمل میں اپریشن ڈیفنسیو وال (Operation Defensive Wall) کے حوالے سے اسرائیل نے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں

فلسطینیوں کے نیٹ ورک کو توڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس دوران فلسطینی اتھارٹی اور فلسطینی مذہبی دہشت گرد گروہوں کے رابطوں پر بھی کچھ نئی چیزیں سامنے آئیں۔ اسرائیلی دفاعی اداروں نے فلسطینی اتھارٹی کے حماس اور اسلامی جہاد دونوں سے رابطوں کے بارے میں کچھ دستاویزات تلاش کر لیں۔ اسرائیل میں بڑے پیمانے پر خودکش حملوں کی کارروائیوں میں تعاون بھی سامنے آیا۔ ایک مثال ۲۷ نومبر ۲۰۰۱ء کو افولا (Afula) میں اسلامی جہاد کا خودکش بم دھماکہ ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کے جاسوسی کے نظام نے اسلامی جہاد کو نہ صرف معلومات فراہم کیں بلکہ اسلحہ بھی سپلائی کیا۔ مختصراً اسلامی جہاد کی نظریاتی سوچ تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔ اول، اسرائیل کی ریاست کو دہشت گردی کے ذریعے ختم کر دیا جائے۔ دوم، ایسی عرب مملکتوں کا بھی تختہ الٹ دیا جائے جو اسلامی قانون نافذ کرنے میں مخلص دکھائی نہ دیتی ہوں۔ اور سوم، پی ایل او کو اس بنا پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا جائے کہ اس نے اسرائیل سے مفاہمت کرنے اور فلسطینیوں کے حقوق کو پس پشت ڈالنے کی جسارت کی تھی۔ فلسطینی اسلامی جہاد کے بقول پی ایل او کے اس تعاون سے فلسطین کی تحریک مزاحمت کو دھچکا لگا ہے۔

حاصل کلام

جولائی ۲۰۰۲ء میں صدر کلنٹن نے کیمپ ڈیوڈ میں ایک مشرقِ وسطیٰ امن کانفرنس کا اہتمام کیا تھا۔ بدقسمتی سے فلسطین اتھارٹی کے چیئرمین یاسر عرفات نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ انکار کی وجہ یہ تھی کہ یاسر عرفات تشدد کی راہ اختیار کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نئے انتفادہ کے آغاز کے دو سال بعد فلسطینی اتھارٹی کے تعاون سے دہشت گردی کی کارروائیوں کی لہر میں شدت آئی ہے۔ دہشت گردی کے پھیلاؤ میں ایک اہم عنصر حماس اور فلسطینی اسلامی جہاد جیسی اسلامی تنظیموں کا تباہ کن کردار ہے۔

دہشت گردی کو اسلامی جہاد کے روپ میں پیش کرنے کا اندازہ اس اعلامیہ سے لگایا جا سکتا ہے، جو جنوری ۲۰۰۲ء میں بیروت میں جاری کیا گیا تھا۔ اس دینی اجتماع میں حماس اور فلسطینی اسلامی جہاد کے نمائندے شریک ہوئے تھے اور حزب اللہ نے اس کانفرنس کی میزبانی کے فرائض سرانجام دیے تھے۔ اس کانفرنس میں لبنان، فلسطین اتھارٹی، سوڈان، متحدہ عرب امارات، مراکش، الجزائر اور اردن کے متعدد